سر سید احمد خان کے کلامی افکار کا تحقیقی جائزہ

☆صائمہ رفیق
☆☆پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا
☆☆☆شبانہ قمر

Abstrect

Ilmu-ul-kalam is a subject which enjoys higher place in Academic circles. It addresses questions and queries related to faith and other concepts of Islam. The contribution of Sir Syed Ahmad Khan made in this field is highly appreciated. He was not satisfied with the existing state of knowledge yet he tried to solve the issues with the help of Quranic arguments. if he found no solution in the Quran, he solved it with the help of scientific method and involving the concept of nature. Islam pays much importance to the challenges of the time and needs them to be solved. Sir Syed holds that the solution of all current problems lies in the exercise of ijtehad. Ignoring the research and the exercise of ijtehad, society can never be promoted and prospered.

In the eyes of Sir Syed Ahmad Khan, there is a similarity between Islam and Nature, that's why relationship is very vital between Islam and Wisdom. Concepts ofSir Syed Ahmad Khan verify that he was the true well wisher of Islam and Muslim. In this paper such trends of Sir Syed Ahmad Khan (are shown), which help solving the contemporary issues. Further, it is said, that customs and traditions which are contrary to science should not be taken into consideration.

Keywords: Sir Syed Ahmad Khan,Islamic theology, Quranic arguments, ijtehad,

علم الکلام کی حقیقت

برصغیر میں برطانوی تسلط کے بعد اسلام اور رحمت دو عالم ﷺ کے حوالے سے شکوک شبہات پھیلائے گئے جن کے علم الکلام کے ماہرین نے جوابات دیئے، علم الکلام سے مراد وہ علم ہے جس کے ماننے والے انسان عقلی دلیلوں سے اسلامی عقائد کی تصدیق کرتے ہیں۔ علم الکلام کی بنیادی دلیل عقلی ہے اور اس کا اثر ہر متکلم سے

☆پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان
☆☆ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز اینڈ شریعہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور
☆☆☆ایم فل اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

بوقت کلام ظاہر ہوتا ہے نیز یہ کہ علم الکلام اصول دین میں استدلالی طریقے کے بیان میں علم منطق سے مشابہ ہے۔ چنانچہ یہاں منطق کے بجائے کلام کا لفظ استعمال کیا گیا۔

سرسید احمد خان نے اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق ایک نئے علم الکلام کی طرف توجہ دی تاکہ مذہب وقت کے تقاضوں کا ساتھ دے سکے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہر دور میں مذہب کی تفسیر و تعبیر اس عہد کے مروجہ رجحانات کے مطابق ہو تاکہ سائنس اور مذہب کے درمیان حائل خلیج کو پر کر دیا جائے۔

جنگ آزادی کے بعد برصغیر پاک وہند میں نہ صرف انگریزوں کا اقتدار قائم ہوا بلکہ مغربی افکار بھی آہستہ آہستہ معاشرے میں نفوذ کرتے گئے۔ ہندوؤں نے آسانی سے مغربی افکار کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ اس کی بڑی وجہ ان کی سیاسی چال تھی دراصل وہ اس کوشش میں تھے کہ مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کو ختم کر کے اپنا تسلط جمالیں۔ تجارت بھی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی اور کیونکہ انگریز تاجروں کی حیثیت ہی سے ہندوستان میں وارد ہوئے تھے لہٰذا ہندو تاجروں کو انگریزوں سے فائدہ پہنچ رہا تھا۔(1)

اس کے برخلاف مسلمانوں نے مغربی افکار کو قبول کرنے سے بے اعتنائی برتی بلکہ خاندان شاہ ولی اللہ نے یہ تحریک چلائی کہ اسلامی علوم کو اردو میں منتقل کر کے عوام میں پھیلایا جائے۔ اس کے برعکس صرف چند مسلمان ایسے تھے جنہوں نے انگریزی افکار اپنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ ان میں سرسید احمد خان پہلے مسلمان تھے جنہوں نے مغربی افکار سمجھنے کی خاطر مہم چلائی اور ایک منظم تحریک کی بنیاد ڈالی۔ 1857ء کے بعد سرسید کی نہایت مخلصانہ طور پر خواہش اور کوشش یہ رہی کہ انگریزوں کے ہاتھوں مسلمانوں کو اور زیادہ نقصان نہ پہنچے۔ اس کے لئے انہوں نے جو طریقہ تجویز کیا وہ یہ تھا کہ:

مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان مصالحت کرائی جائے۔

مسلمان سیاسی، سماجی اور تہذیبی میدان میں ترقی کریں۔

یہ سرسید کی مخلصانہ آرزو تھی جس کی تعریف حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے سرسید کے نام اپنے ایک خط میں کی کہ مسلمانوں پر انگریزوں کی فتح کی اصلی وجہ وہ صنعتی ایجادات تھیں جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے اور مسلمانوں کے ابھرنے کا صرف یہی طریقہ تھا کہ وہ انگریزوں کے ان نئے فنون کو سیکھیں۔(2)

سرسید لکھتے ہیں:

"ہماری تحریروں میں اکثر لفظ "علوم جدیدہ" آیا ہے اور لوگ شک و شبہ میں رہتے ہیں کہ ان علوم سے کیا مراد ہے۔ ان سے مراد:

ا۔ وہ علوم ہیں جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلام کے زمانہ میں مروج نہ تھے اور اب حال میں ایجاد ہیں مثلاً جیالوجی اور الیکٹریسٹی وغیرہ۔

۲۔ اس کے علاوہ وہ علوم ہیں جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلامیہ کے ادوار میں موجود تو تھے مگر متروک ہوگئے اور اب نئے اصول قائم ہوئے جن کو اصول قدیمہ سے مناسبت نہیں مثلاً علم ہیت اور کیمسٹری وغیرہ۔

۳۔ تیسرے وہ علوم ہیں جو متقدمین یونانیہ اور حکمائے اسلام کے زمانہ میں بھی تھے اب ان کو اتنی وسعت ہوگئی ہے کہ زمانہ حال میں بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں مثلاً مکینکس یعنی علم آلات، علم حساب اور انجینئرنگ وغیرہ۔"(3)

سر سید اور جدید علم الکلام

سر سید کے جدید علم الکلام پر کئی اعتراض ہو سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جو کیا قوم کی بھلائی کے خیال سے کیا، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"میں صاف کہتا ہوں کہ اگر لوگ تقلید نہ چھوڑیں گے اور خاص اس روشنی کو جو قرآن وحدیث سے حاصل ہوتی ہے تلاش نہ کریں اور حال کے علوم سے مذہب کا مقابلہ نہ کریں گے تو مذہب اسلام ہندوستان سے معدوم ہو جائے گا، اسی خیر خواہی نے مجھ کو برانگیختہ کیا ہے کہ میں ہر قسم کی تحقیقات کرتا ہوں اور تقلید کی پرواہ نہیں کرتا ورنہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ میرے نزدیک مسلمان رہنے کے لئے آئمہ کبار تو درکنار مولوی جبو کی بھی تقلید کافی ہے، لا الہ الا اللہ کہنا ہی ایک طہارت ہے کہ کوئی نجاست باقی نہیں رہتی۔"(4)

سر سید احمد خان نے جدید علم الکلام کی ضرورت کو محسوس کیا کیونکہ انہیں اسلام کی صداقت کا کامل یقین تھا۔ دنیا کی کئی قومیں ہیں جن کے بعض عقائد عقل کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً جاپانی، پارسی اور خود عیسائی لیکن وہ مذہبی عقائد اور سائنس یا دنیاوی ترقی کو زندگی کے دو الگ الگ دائرے سمجھ کر کام کر رہی ہیں۔ مسلمان بھی ایسا کر سکتے تھے مگر سر سید کو پورا یقین تھا کہ اسلام اور سائنس یا دینوی ترقی یعنی قرآن اور فطرت میں کوئی تناقض نہیں ہے۔(5)

سر سید احمد خان کے عقائد اور فلسفہ کا فہم ان کے مضمون "مذہبی خیال" سے ہوتا ہے جو ان کے رسالہ تہذیب الاخلاق 1296ھ میں شائع ہوا۔ لکھتے ہیں:

"قدیم اصول یہ ہے کہ انسان مذہب کے لئے پیدا ہوا ہے۔ جدید اصول یہ ہے کہ مذہب انسان کے لئے پیدا ہوا ہے۔ قدیم اصول یہ ہے کہ انسان نفس کشی کرے اور اپنی خوشیوں کو معدوم کرے۔ جدید اصول یہ ہے کہ انسان اپنی تمام خوشیوں اور خواہشات کو زندہ رکھے اور ان کو ان اصولوں کے مطابق استعمال کرے۔ قدیم اصول یہ ہے کہ تزکیہ نفس کو لازم ہے کیونکہ نفس انسانی ناپاک ہے اس کو آلائشوں سے پاک کرنا ہے۔ جدید اصول یہ ہے کہ نفس انسانی بذات خود

پاک ہے اور ہر اس کام کی قابلیت رکھتا ہے جو اس سے لیا جائے۔ قدیم اصول یہ ہے کہ دنیا و مافیہا سے تعلق قطع کرنا اور صرف ذات مبدا سے تعلق رکھنا چاہیے۔ جدید اصول یہ ہے کہ دنیا اور جو کچھ اس دنیا میں ہے انسان کے فائدے کے لئے بنائی ہے پس انسان کو اسے قبول کرنا چاہیے۔ قدیم اصول یہ ہے کہ تقدیر پر بھروسہ کرنا اور اس پر شاکر رہنا چاہیے۔ جدید اصول یہ ہے کہ تقدیر اس امر کا نام ہے جو واقع ہو جائے اور قبل وقوع اس کے منتظر رہنا خدا کی حکمت کو باطل کرنا ہے اور بعد وقوع اس کو برداشت نہ کرنا ناشکری ہے۔ جدید اصول یہ ہے کہ اللہ اللہ کہنا اور تسبیح و تحلیل کرنا خدا کو یاد کرنا ہے۔ جدید اصول یہ ہے کہ خدا کی صناعی سے اس کی یاد کا دل میں آنا خدا کو یاد کرنا ہے۔ قدیم اصول یہ ہے کہ قرآن مجید میں شفاء بھی ہے۔ جدید اصول یہ ہے کہ امراض روحانی کے لئے نہ کہ امراض جسمانی کے لئے۔ قدیم اصول یہ ہے کہ معجزوں سے انبیاء کی تصدیق ہوتی ہے۔ جدید اصول یہ ہے کہ نیچر سے انبیاء کی تصدیق ہوتی ہے۔ قدیم اصول یہ ہے کہ نیکی اور برائی جنت کے ملنے اور دوزخ کے عذاب سے بچنے یا رضائے الٰہی اور اس کی خفگی سے بچنے کے لیے کرنی چاہیے۔ جدید اصول یہ ہے کہ نیچر کا مقتضا ہی یہ ہے کہ ہم کو نیک ہونا چاہیے۔"(6)

گویا اس اقتباس سے سرسید کے مذہبی فکر کے اعلیٰ ترین مرحلے کے عقائد کے خدوخال واضح طور پر سمٹ آئے ہیں۔ سرسید کہتے تھے:

"اگر اسلام کو جدید سائنسی روح پر پرکھا جائے تو یہ تمام مذاہب سے زیادہ فطرت کے قوانین سے قریب ہے اور سب سے زیادہ عقل کو مطمئن کرنے والا قرآن ہی ہے چونکہ مسلمانوں نے ماضی میں قرآن کے نظریہ کائنات کو بہت غلط سمجھا اور اس کی غلط تعبیر کی اور یہ کہ قدیم طرز کا علم االکلام آج بر محل نہیں ہے."(6)

سرسید کے کلامی افکار کا جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فطرت کو خاص اہمیت دی ہے اور فطرت کو ہر چیز کا معیار بنایا ہے۔

مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے

جس طرح انسان میں ہمدردی، محبت، جوش، انتقام اور قدرتی جذبات پائے جاتے ہیں اسی طرح میلان مذہب بھی قدرتی اور فطرتی ہے۔ جس طرح قدرتی جذبات کسی شخص میں کم اور کسی میں زیادہ ہوتے ہیں، کسی میں ضعیف، کسی میں شدت اور شاذ و نادر افراد میں بالکل نہیں ہوتے بعینہ مذہب کا یہی حال ہے۔ دنیا میں افراد انسانی کے خاص مختصات یعنی زبان، قوم، ملک، صورت، رنگ کو حذف کرتے جاؤ جو چیزیں قدر مشترک رہ جائیں گی ان میں ایک مذہب ہو گا اور یہ مذہب کے فطری ہونے کی بڑی دلیل ہے۔ جن چیزوں کو ہم انسان کی فطرت خیال کرتے ہیں مثلاً اولاد کی محبت، انتقام

کی خواہش، کمال کی قدر دانی وغیرہ وغیرہ ان کے فطری ہونے کی یہی وجہ قرار دیتے ہیں کہ تمام دنیا کے آدمیوں میں مشترک پائی جاتی ہیں اس بناء پر جب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر قوم، ہر نسل، ہر طبقہ کوئی نہ کوئی مذہب رکھتا ہے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مذہب فطری چیز ہے۔[7]

قرآن مجید کا تصور فطرت

قرآن کہتا ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا- فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْها- لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْن [8]

"تم سب دین (حق) کی طرف اپنا منہ رکھو اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو انسان کو پیدا کیا ہے اللہ کی بنائی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں یہی ہے سیدھا دین لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے۔"

شروع میں سرسید نے فطرت کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ "خدا کی قدرت" کا نام لیا، وہ بیان کرتے ہیں:

"اس طرح یہ سب کو اکب خدا تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک وسعت میں بکھیر دیئے ہیں جو اپنی اپنی جگہ قائم ہیں۔ ان سب کے بیچ میں آفتاب ہے اور وہ سب اس کے گرد گھومتے ہیں اور معلوم نہیں ایسے آفتاب اور کتنے ہیں اور کتنے ستارے ان کے ساتھ ہیں جو اس کے گرد چکر لگاتے ہوں گے کیونکہ خدا تعالی کی قدرت اور صفت بے انتہا ہے۔" [9]

خدا کی قدرت" والے فقرے کی جگہ پھر سرسید نے صرف "قدرت" کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا اور "قانون قدرت" بھی استعمال کرنے لگے اور کہا کہ کائنات کا مالک تو خدا ہے مگر اس کائنات میں چند ایک قانون اس طرح کے ہیں جو نہ بدلے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں اور یہ کہ انسان اپنی عقل سے بتدریج ان قوانین کو دریافت کر سکے گا۔

اس سلسلے میں کہتے ہیں:

"ہاں یہ سچ ہے کہ قانون قدرت پر غور کرنے سے وہ صحیح اخلاق جو انسان کی طبیعت کو ایسی طاقت پر کر دیں جو کبھی دھوکہ نہ دے دریافت ہو سکتے ہیں۔ مگر کب؟ اس وقت جب کہ انسانی معلومات کو قوانین قدرت پر اور مختلف قوانین کے اسرار پر جو اس کے بانی نے انسان میں رکھے ہیں ایک معتدبہ آگاہی حاصل ہو۔"[10]

اس کے بعد سرسید نے نیکی اور عبادت کے بارے میں اس طرح کا نقطہ نظر اختیار کیا کہ پہلے لوگ نیکی اور عبادت کو جنت کی تلاش اور حور کی لالچ میں کرتے تھے مگر اب ایسا نہیں ہے اب اس لئے نیکی کرتے ہیں کہ "نیچر کا تقاضا ہے" کہ ہم کو نیک ہونا چاہیے۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں:

"اس زمانے کے مسلمانوں نے بھی جو دین اللہ اور فطرت اللہ کے ایک معنی سمجھتے ہیں اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ ٹھیٹ اسلام نیچر کے مطابق ہے اس دشوار گزار راستے میں قدم رکھاہے اور اس آرٹیکل سے ہمارا مقصد خدا کے وجود پر ان نیچریوں کی دلیلوں کا بیان کرنا ہے۔"(11)

پھر ایک جگہ کہا:

"ہمارا یقین کامل ہے کو ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کبھی مختلف نہیں ہوتے۔ گو ہم نے اپنے نفس علم سے کبھی ورڈ کے معنی غلط سمجھے ہوں۔"(12)

سر سید احمد خان نے فطرت کے لئے لفظ "نیچر" استعمال کیا اور سر سید کے نزدیک نیچر یعنی فطرت کے دو مفہوم ہیں ایک تو نظام کائنات اور دوسرے انسان کی ماہیت اور قرآن میں بھی جہاں لفظ "فطرت" یا "خلق" آیا ہے اس کی تفسیر اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے فلسفے کے مطابق کی۔(13)

سر سید کو نیچری کی وجہ سے نیچری کہا جانے لگا جس پر انہوں نے فخر محسوس کیا:

"اگر نیچری ہونے میں بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ موجودات عالم اور ان کے باہمی تعلقات سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان پر غور و فکر کیا جائے اور ان کی دلالت اور ہدایت سے ان کے صانع کا یقین کیا جائے تو شروع میں نیچری ہونے کی ہدایت ہے"۔(14)

سر سید نیچر کا معنی یہ لکھتے ہیں:

"حقائق موجودات اور اصول نظام کائنات نیچر ہے۔ آگ جلاتی ہے کیونکہ جلانے پر مجبور ہے۔ ;برف ٹھنڈا کرتی ہے ۔ایسا کرنا اس کے لئے ناگزیز ہے۔ہوائیں چلتی ہیں ۔دریا بہتے ہیں۔پودے اگتے ہیں۔لوگ مرتے رہتے ہیں۔پیدا ہوتے رہتے ہیں۔یہ سب ایک نظام کائنات ہے جو ایک اصول کے تحت چل رہا ہے اور یہی فطرت ہے۔ عقل کے ذریعے سے ہم قوانین قدرت کو معلوم کرتے ہیں عقل ہی کے ذریعے ہم فطرت انسانی کے تقاضوں سے آگاہ ہوتے ہیں غرض عقل اور نیچر میں ہم آہنگی ہے۔کیونکہ اسلام اور نیچر میں مطابقت ہے اس لئے اسلام اور عقل میں مطابقت ضروری ہے۔"(15)

سر سید کہتے ہیں:

"خدا نے ہم کو، ہماری جان کو، ہماری سمجھ کو، ہمارے دل و دماغ کو، ہمارے روئیں روئیں کو، نیچر سے جکڑ دیا ہے ہمارے چاروں طرف نیچر ہی نیچر ہے، نیچر کو ہم دیکھتے ہیں، نیچر ہی کو ہم سمجھتے ہیں، نیچر سے خدا کو پہچانتے ہیں، پھر نیچری نہ ہوں تو کون ہوں، کوئی کیسا ہی مسلمان ہو، ہم تو بلاشبہ فطرتی مسلمان ہیں، ہمارے باپ دادا بھی کچھ کرشمہ اور کرامات دیکھ کر ایمان نہیں لائے

تھے وہ بھی فطرتی مسلمان تھے۔ نیچر ہمارے خدا کا ہمارے باپ دادا کا تمغہ ہے، ہم نیچری، ہمارا خدا نیچری، ہمارے باپ دادا نیچری، اگر کوئی اس مقدس لفظ کو بری نیت سے استعمال کرتا ہے وہ جانے اور اسکا دین ایمان۔ وہ صرف ہم ہی کو نہیں کہتا بلکہ خدا اور پیغمبر کو بھی کہتا ہے پھر لوگوں کو جو چاہو کہنے دو۔ ان کو ان کی راہ پر، ہم کو اپنی راہ پر، اپنے خدا کی راہ پر، اپنے باپ دادا کی راہ پر اور رسولوں کی راہ پر چلنے دو۔"(16)

شاہ ولی اللہ کے نزدیک

ڈاکٹر عبد الرؤف شیخ شاہ ولی اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"شاہ ولی اللہ نے فطرت اللہ کا ترجمہ دین خدا کا کیا ہے۔ پس جو ہمارے خدا کا مذہب ہے وہی ہمارا مذہب ہے خدا نہ ہندو ہے اور نہ مسلمان، نہ لامذہب ہے نہ یہودی نہ عیسائی وہ تو پکا نیچری ہے وہ خود اپنے کو نیچری کہتا ہے پھر اگر ہم بھی نیچری ہیں تو اس سے زیادہ ہم کو کیا فخر ہے."(17)

سرسید کے مطابق

سرسید مذہب اور فطرت کا تعلق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"مذہب اسلام ان بندشوں کو توڑنے کو آیا تھا جو فطرت یا نیچر پر لوگوں نے باندھی تھیں۔ وہ کوئی نئی بندش نیچر یا خدا کے دین پر باندھنے نہیں آیا۔ اس نے فطرت کے مطابق لوگوں کو آزادی کا پورا حق دیا ہے اور اسی کو اس کا دین بلکہ خدا کا دین بتاتا ہے لہذا کسی نے خدا کو اور کسی طرح نہیں جانا اگر جانا تو نیچر ہی سے جانا۔ خود خدا بھی اپنے آپ کو کچھ نہیں بتا سکا تو جو بتلایا وہ نیچر ہی کو بتلایا۔ خدا نے فرمایا کہ جس نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا اور آسمان کو سائبان بنایا، آسمان سے پانی برسایا، جس نے تمہارے کھانے کے لئے طرح طرح کے میوؤں کو اگایا وہی خدا ہے۔ گویا فطرت خدا کا دین ہے۔"(18)

سرسید کے نظریہ فطرت کے بارے میں کہا گیا ہے:

سرسید فطرت کو انیسویں صدی کی سائنس کی طرح تعبیر کرتے ہیں یعنی فطرت کائنات کا ایک جامع اور مانع نظام (Closed system) ہے۔ جو چند میکانی اور طبیعاتی اصولوں کے تحت وجود رکھتا ہے۔ جس میں ہر حرکت اور فعل مستقل اور یکساں طور پر قائم ہے۔"(19) یہی وہ فطرت کے مغربی تصورات ہیں جن کی بناء پر جمال الدین افغانی نے سرسید کو دہریہ قرار دیا" دراصل سرسید کی نیچریت سطحی تھی تاکہ نو تعلیم یافتہ طالب علموں کی توجہ حاصل کریں اور وہ کسی تعصب کا شکار نہ ہوں۔"(20)

غرضیکہ اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سر سید صرف اپنی سمجھ کے قائل تھے اور یہ سمجھ انیسویں صدی کی مغربی سائنس سے آئی تھی۔ انہوں نے خود ہی اقرار کیا:

"میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن مجید پر غور کیا اور چاہا کہ قرآن ہی سے سمجھنا چاہیے کہ اس کا نظم کن اصولوں پر قائم ہے اور جہاں تک میری طاقت میں تھا میں نے سمجھا اور پایا کہ جو اصول خود قرآن مجید سے نکلتے ہیں ان کے مطابق کوئی مخالفت علوم جدیدہ میں اسلام سے ہے اور نہ قرآن سے۔"(21)

گویا سر سید دعوی کرتے ہیں کہ اسلام کے احکام فطرت کے مطابق ہیں نیز اسلام اور علوم جدیدہ میں کچھ مخاصمت نہیں

وجود باری تعالی

سب سے پہلا عقیدہ خالق کائنات کے وجود کا ثبوت ہے جس کے متعلق سر سید کہتے ہیں کہ:

"وہ چیز جس پر یقین کرنے سے کوئی شخص مسلم یا مسلمان کہلایا جا سکتا ہے۔ وہ توحید ہے جو شخص خدا کو برحق جانتا ہے اور اس کی توحید پر یقین رکھتا ہے وہ مسلمان ہے یہی اسلام کا رکن اول اور رکن اعظم ہے اور باقی رکان اس کے تحت ہیں اور اس کے ساتھ اس کے اجزاء ہیں۔ خدا کو واحد مطلق اور خالق تمام چیزوں کا جاننا اور سمجھنا اور اس بات پر یقین کرنا اسلام ہے اور جو اس پر یقین کرے وہ مسلم ہے۔"(22)

خالق کائنات کے وجود کے اثبات کے لئے سر سید نے لکھا ہے:

"تمام موجودات کا خالق یا ان کے وجود کا سب اخیر یا علتہ العلل کوئی ہے اور اس کا نام اللہ ہے۔ مذہب اسلام کا سب سے پہلا یہ عقیدہ کہ کوئی کائنات کا خالق ہے یہ سب کچھ موجود ہے اور جس کو ہم کسی طرح جان سکتے ہیں یا سمجھ سکتے ہیں ایک ایسے سے مربوط ہے کہ ایک کا وجود دوسرے پر دوسرے کا تیسرے پر منحصر ہے پس ضرور یہ ہے کہ یہ سلسلہ کسی اخیر وجود یا علت یا سبب پر منتہی ہو اور جس پر یہ منتہی ہو وہی خالق اور خدا رب العالمین ہے۔"(23)

ایک اور جگہ رقمطراز ہیں:

"یہ خیال ہمارا جو خدا کے ہونے پر ہوا ہے اس کو ایسی چیزوں نے پیدا کیا جو ایک حقیقت ہیں یا یوں کہو کہ حقائق محققہ ہیں اور ہم نے اس قسم کے خیال کو ہمیشہ ٹھیک اور بعد تجربہ کے مطابق واقع کے پایا ہے اس لئے ہم اس خیال پر بھی یقین رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد تجربہ کے بھی جب کبھی کہ ہو یہ خیال ہمارا تو بالکل مطابق واقع کے ہو گا اور اسی لئے ہم اس کو خیال نہیں کہتے بلکہ یقین کہتے ہیں۔"(24)

توحید باری تعالیٰ کے متعلق سرسید کہتے ہیں:

"وہ ہستی جس کو ہم اللہ کہتے ہیں واحد فی الذات ہے یعنی مثل اس کے دوسری ہستی نہیں ہے۔"(25)

مغربی مفکر ارسطو کے نزدیک

وجود خدا کے لئے سب سے بڑی دلیل اس کا محرک اول ہونا ہے جس کے لئے کسی ایسے وجود کا ہونا لازم ہے جو حرکت کا ماخذ ہو اور خود متحرک ہو اور دائمی ہو۔

ارسطو علتوں کے بارے میں کہتا ہے:

"علت کی چار قسمیں ہیں۔مادی، صوری، فعلی اور غائی(مقصد) جس میں وہ مجسمہ ساز کی مثال دیتا ہے کہ جس چیز سے وہ مجسمہ تیار کرتا ہے وہ مادی علت اور جو شکل مجسمہ اختیار کر لیتا ہے وہ صوری اور جب کام ہو رہا ہے تو علت فعلی جبکہ مجسمہ بنانے کا جو مقصد ہے وہ علت غائی ہے۔جدید اصلاحات میں لفظ علت سے مراد علت فعلی ہے۔غیر متحرک محرک کو علت فعلی قرار دیا جاسکتا ہے اس کا مقصد تغیر لانا ہے جو بنیادی طور پر خدا کی مماثلت کی طرف ایک ارتقاء ہے۔" (26)

خدا کے متعلق ارسطو کا عقیدہ گویا یہ ہے:

"وہ ایک قوت مقناطیسی ہے جو تمام اشیاء کو اپنی طرف کھینچتی ہے کشش کا باعث صرف یہ ہے کہ تمام اشیاء اس کی عاشق ہیں حرکت در حقیقت نتیجہ کشش ہے جو زندگی کا اظہار ہے پس حرکت خدائی کشش کا نتیجہ ہے اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے خدا زندگی کی علت ہے"۔(27)

اقبال کے نزدیک علت العلل

ڈاکٹر اقبال علت العلل کے حوالے سی لکھتے ہیں:

"ہر معلول کی کوئی علت اور پھر اس کی بھی کوئی علت ہوتی ہے اس طرح ہر علت کا کوئی نہ کوئی معلول ہوتا ہے تو حرکت کی بھی کوئی علت اور پھر اس کی بھی کوئی علت ہو گی۔اس طرح علتوں کا ایک سلسلہ جو نہ ختم ہونے والا تصور ہو گا۔مگر ایسا کرنا ممکن نہیں کیونکہ انسانی ذہن کسی بھی لامحدود سلسلے کو تصور کی گرفت میں نہیں لا سکتا۔ لہذا ہمیں ایک محرک اول کا مفروضہ سامنے لانا پڑتا ہے جو تمام حرکت کا سبب ہے مگر اس کا کوئی اپنا سبب یا محرک نہیں ہے۔"(28)

علت کے بارے میں الغزالی کا موقف

امام غزالی علت و معلول کے درمیان تعلق بیان کرتے ہوئے علت العلل کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مسلم مفکر الغزالی کا کہنا ہے کہ علت و معلول کے درمیان جو رشتہ ہے وہ لازمیت کا نہیں بلکہ صرف تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے۔ علتیں بذات خود کسی معلول کو پیدا کرنے کی صلاحیتیں نہیں رکھتیں۔ وہ خود کسی قسم کی قوت ارادی کی مالک نہیں ہوتیں۔وہ عظیم قوت ارادی جو انہیں متحرک کرتی ہے صرف خدائے ذوالجلال کی ہے جو مکمل طور پر آزاد اور خود مختار ہے اور کسی قانون کی تابع نہیں سوائے قانون مانع تناقص کے جو اس نے خود اپنے اوپر عائد کیا ہوا ہے۔"[29]

اس بارے میں سر سید کہتے ہیں:

"وہ علت العلل جس کو خدا کہتے ہیں وہ وحدہ لاشریک ہے۔وہ علتہ العلل تمام چیزوں کی خالق ہے۔ایسی علتہ العلل کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ایسی چیز بھی ہو جس کو ہم زندگی کہتے ہیں ایسی چیز نہ ہو جس کو ہم موت کہتے ہیں۔اس میں کوئی ایسی چیز بھی ہونی ضرور ہے جس کو ہم سمع و بصر، علم و رحم، غضب و قہر سے تعبیر کرتے ہیں۔اس لئے ہم اس کے حی لایموت، سمیع و بصیر، علیم و خبیر، رحمان و رحیم، قھار و جبار ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ مگر اس امر کی کہ اس کی حیات کیا ہے اس کی عدم موت کیا ہے اس کا سمیع و بصیر و علیم و خبیر، رحمان و رحیم، قھار و جبار ہونا کیا ہے اور کیسا ہے کچھ تاویل نہیں کرتے۔"[30]

پھر ایک جگہ لکھتے ہیں:

"صفات کی ماہیت کا جاننا مافوق عقل انسانی ہے۔اس لئے وہ صفات جس کیفیت یا جس حیثیت سے ہمارے سامنے یا ہمارے ذہن میں ہیں اور جن کو ہم نے ممکنات سے اخذ کیا ہے بعینہ واجب الوجود کی طرف منسوب نہیں کرسکتے صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان صفات کے جو معنی مصدری ہیں وہ ذات باری میں موجود ہیں۔"[31]

"وہ ہستی جس کو ہم خدا یا علتہ العلل کہتے ہیں نہ ہمارے دیکھنے میں آتا ہے نہ چھونے میں نہ خیال میں تو ہم بجز اتنی بات جانتے ہیں" کہ وہ ہے" اور کچھ حقیقت اس کی ذات صفات کی نہیں جان سکتے۔خدا بھی تو ایسی ذات کی حقیقت ہم کو نہیں بتاتا۔ جب موسی علیہ السلام نے پوچھا کہ فرعون کے پاس تیرا پیغام لے کر جاؤں گا کیا بتاؤں تو کون ہے؟ تو یہی جواب ملا کہ میں وہی ہوں جو ہوں بلکہ اس کو در حقیقت کسی صفت کا محل قرار نہیں دے سکتے۔پس جبکہ ہم ایک ذات کی حقیقت نہیں جان سکتے تو اس کی صفات کی حقیقت بھی نہیں جان سکتے۔"[32]

مسئلہ نبوت

سر سید نے مسئلہ نبوت پر سیر حاصل بحث کی ہے اور علم الکلام میں بھی یہ اہم مسئلہ ہے کیونکہ اگر نبی کی نبوت

ثابت ہو جائے تو پھر اس کا ہر حکم واجب العمل اور ہر قول قابل قبول ہو گا۔ نبی کے متعلق سر سید احمد خان کی بحث کا غلاصہ یہ ہے کہ نبی کا لفظ نبا سے مشتق ہے۔ نبا کے معنی پیش گوئی کرنے کے ہیں لہذا یہودی ایسے شخص کو نبی کہتے ہیں جو کہانت یا نجوم کے بغیر پیش گوئی کرتا ہے۔ مگر اسلام اس شخص کو نبی تسلیم کرتا ہے جس پر وحی نازل ہوئی اور نبوت ایک فطری قوت ہے اور جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے اور جب مسئلہ نبوت اپنی پوری طاقت کو پہنچ جاتا ہے تو اس کو بعثت لکھتے ہیں اور اسی مسئلہ نبوت کو ناموس اکبر یا جبرائیل کہتے ہیں۔ یہ کوئی ایسا عطیہ نہیں ہے جو بغیر صلاحیت فطری کے کسی کو بخشا گیا ہو اور انبیاء کے گروہ کو ایک سمجھنا چاہیے اور عام انسانوں میں اور انبیاء میں ملکہ نبوت فصل ہے۔(33)

سر سید اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

خدا تعالی سورۃ النجم میں فرماتا ہے:

''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى۔''

''محمد اپنی خواہش نفس سے نہیں کہتا مگر یہ تو وہ بات ہے جو اس کے دل میں ڈال دی گئی ہے۔''

یہ تمام بمقتضائے فطرت و نبوت دکھائی دیتا ہے اور دراصل بجز ملکہ نبوت کے جس کو جبرائیل کہو اور کچھ نہ تھا۔(34)

نبوت اور فطرت کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

''کہتے ہیں کہ میں نبوت کو ایک فطری چیز سمجھتا ہوں نبی گو اپنی ماں کے پیٹ میں ہی ہو نبی ہوتا ہے۔النبی ولو کان فی بطن امه- نبی جب پیدا ہوتا ہے تو نبی ہوتا ہے اور جب مرتا ہے تو نبی ہی مرتا ہے۔ یعنی نبوت در حقیقت ایک فطری چیز ہے جو انبیاء میں بمقتضائے فطرت کے مثل دیگر قوائے انسانی کے ہوتی ہے۔ جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے وہ نبی ہوتا ہے اور جو نبی ہوتا ہے اس میں وہ قوت ہوتی ہے۔'' (35)

ایک جگہ ہے:

''نبوت فطری امر ہے بطور ایک ایسے منصب کے نہیں ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ کسی کو کوئی منصب دے دیتا ہے۔''(36)

شرک فی النبوت کے بارے میں سر سید کا خیال ہے:

''شرک کی بحث یہ ہے کہ جو اسلام کا دشمن ہے اس کے ساتھ اسلام جمع ہی نہیں ہو سکتا۔ جس طرح خدا ذات وصفات میں واحد ہے اسی طرح رسول تبلیغ احکام کے قرار دینے میں واحد ہے اور کسی کو اس میں شرکت نہیں۔ جو رسول کے سوا کسی اور کی تابعداری کو باعث نجات یا ثواب

خیال کرتا ہے وہ بھی ایک قسم کا شرک کرنا ہے۔ جس کو میں شرک فی النبوۃ سے تعبیر کرتا ہوں۔"(37)

وحی کے بارے میں کہا:

"وحی وہ چیز ہے جس کو قلب نبوت پر بسبب اسی فطرت نبوت کے نقش کیا ہے وحی انتقاش قلبی کبھی مثل ایک بولنے والی آواز کی صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ مگر بجز اپنے آپکے نہ وہاں کوئی آواز ہے اور نہ بولنے والا۔ خدا نے بہت سی جگہ قرآن میں جبرائیل کا نام لیا ہے مگر سورۃ بقرہ میں اس کی ماہیت بتادی۔ فرمایا:

فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ

"جبرائیل نے تیرے دل میں قرآن کو خدا کے حکم سے ڈالا ہے۔"

فطرت سے خارج چیز دل میں اتاری یا ڈالی نہیں جاتی۔ ثابت ہوا کہ گویا اس ملکہ نبوت کو جبرائیل کہا."(38)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

"تمام مخلوق میں انسان ہوں یا حیوان شجر ہو یا حجر سب میں خدا نے ایک فطرت رکھی ہے اور اس کے اثر بغیر کسی کے بتائے اور بغیر کسی سکھانے والے کے سکھائے اسی فطرت کے مطابق ہوتے رہتے ہیں۔ اس ودیعت فطرت کو بعض علمائے اسلام نے الہامات طبعی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مگر خدا تعالی نے اس کو وحی سے تعبیر۔"(39)

معجزات

سرسید معجزات انکار کرتے ہیں وہ سورۃ کہف، سورۃ الاعراف، سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ عنکبوت کی وہ آیتیں نقل کرتے ہیں جن میں حضور ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ معجزہ یا علم غیب کے متعلق تجھ سے متوقع ہیں ان سے کہہ دیں کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں ایک بشر ہوں مثل تمہارے جس کو وحی سے معلوم ہوا کہ تمہارا خدا ایک ہے اور بس کہہ دے کہ میں بغیر خدا کی مشئیت کے نہ اپنے تئیں نفع پہنچا سکتا ہوں نہ نقصان اور اگر میں غیب کا علم رکھتا تو کثرت سے بھلائیاں کرلیتا اور برائی مجھ کو چھوتی بھی نہیں۔ میں کچھ نہیں مگر ایک انسان خدا کا بھیجا ہوا اور کہہ دے کہ معجزے تو خدا کے پاس ہیں۔(40)

معجزہ جن معنوں میں بولا جاتا ہے سرسید کے نزدیک نہ اس کا وقوع میں آنا ممکن ہے اور نہ نبی کی تصدیق اس پر موقوف ہے ان کے نزدیک نبی کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کی تعلیم تمام طبقات کی سمجھ کے موافق اور جاہل اور حکیم، خدا پرست اور نفس پرست سب کو ایک نتیجے پر پہنچانے والی ہو۔ معجزات جو عموما انبیاء کی طرف منسوب

ہوتے ہیں سر سید کا کہنا ہے کہ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ لوگوں نے ان معجزات کو دیکھنے سے ان کو نبی مانا بلکہ ان کے نزدیک فطرت کا مقتضا یہی ہے کہ جن سے عقیدت ہوتی ہے ان کی معمولی باتیں بھی معجزات و کرامات لگتی ہیں۔اگر ایک عام آدمی کسی کو بد عادے اور ویسے ہی ہو جائے تو اس کو اہمیت نہیں ملتی بلکہ اگر کسی کا تقدس دل میں ہو اور وہ کہے اور ہو جائے تو اسی بات کو معجزہ مان لیا جاتا ہے۔(41)

تمام جاہل، وحشی اور ناتربیت یافتہ معجزے اور کرامات کے قائل ہوتے ہیں مگر جب علم کی روشنی میں ملک و قوم روشن ہو جاتی ہے تو یہ سب باتیں مٹی ہو جاتی ہیں۔مذہب اسلام معجزات کا مخالف ہے۔(42)

پھر کہا:

"معجزے کوئی چیز نہیں ہیں۔آسمانی کتابوں میں ان کا جو بیان آیا ہے وہ یا علامتی ہیں یا استعاراتی یا محض داستانی"۔(43)

گویا اس تمام بحث سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ معجزات سے انکار کرتے ہیں اور اس کو انبیاء سے مخصوص نہیں کرتے بلکہ ان پر ایمان لانے کو ناقص ایمان کی علامت بتاتے ہیں۔

ملائکہ

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 28 کا حوالہ دیتے ہوئے ملائکہ کے بارے میں سر سید کہتے ہیں:

"ملک" کے معنی ایلچی یا پیغامچی کے ہیں۔عبرانی، یونانی، اور فارسی میں بھی اس کے معنی ایلچی کے ہیں جو خدا کا پیغام نبیوں تک پہنچاتا ہے۔توراۃ میں بعض جگہ عام ایلچی کے لیے اور بعض جگہ مذہبی پیشواؤں کے لئے ہے۔مگر فرشتوں کے بارے میں لوگوں کے عجیب خیالات ہیں انسان کی طبعی بات ہے کہ جس مخلوق کو نہ جانتا ہو اس کے رہنے کی جگہ اور اوصاف پر خیال کرنے لگتا ہے مگر یہ بھول جاتا ہے کہ وہ اس مخلوق کو نہیں جانتا اور پھر نسل در نسل یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے۔یہی فرشتوں کی نسبت ہوا ہے جبکہ فرشتوں کی حقیقت نفوس انسانی کی حقیقت سے زیادہ قوی ہے اور انسان کی بہ نسبت ان کو علم بھی زیادہ ہے ان سے کچھ تو آسمانوں سے اس قسم کا علاقہ رکھتے ہیں جیسا کہ ہمارے بدن سے روح کا ہے اور کچھ بجز استغراق کے ذات باری میں کسی چیز سے علاقہ نہیں رکھتے وہی ملائکہ مقربین ہیں۔میں کہتا ہوں کہ جس طرح انسان سے فروتر مخلوق کا ایک سلسلہ ہم دیکھتے ہیں اسی طرح انسان سے تر مخلوق ہونے سے انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے مگر ایسی خلقت کے در حقیقت ہونے کی بھی کوئی دلیل ثابت نہیں ہے۔(44)

سر سید فرشتوں اور جنات کے بارے میں کہتے ہیں:

''یہ ایک طرح کی قوتیں ہیں جو عموماً انسانوں سے مستور رہتی ہیں اور صرف ضرورت پڑنے پر ظاہر ہوتی ہیں۔''(45)

جنت دوزخ

سورۃ البقرہ کی آیت 22 کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

جنت اور نار کی نسبت لفظ ''اُعِدَّتْ'' جس کے معنی تیار یا آمادہ کے ہیں چار جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ جیسے اسی آیت میں ہے۔ ''اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ'' اور پھر سورۃ آل عمران میں ہے۔ ''وَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِیْ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ'' اور اسی سورۃ میں جنت کی نسبت دوسری جگہ ہے۔ ''اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ'' اور پھر سورۃ حدید میں ہے ''اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ'' جس سے علماء نے عقیدہ قائم کیا کہ ''الجنۃ والنار مخلوقتین'' یعنی بہشت اور دوزخ دونوں پیدا ہو چکی ہیں۔ جبکہ اُعِدَّتْ کے لفظ سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ جنت یا بہشت کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ(46)

''کوئی نہیں جانتا کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی راحت چھپا رکھی ہے اس کے بدلے میں جو وہ کرتے ہیں۔''

بخاری و مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سند پر بیان کیا:

''قال اللہ تعالیٰ اعدت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔''(47)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیاری کی ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیز جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے اور نہ کسی کان نے سنی ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے۔

جبر و قدر

مسئلہ جبر و اختیار نہایت اہم ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خدا ہی کرتا ہے جو کچھ کرتا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں اللہ نے انسان کو بنا کر آزاد چھوڑ دیا ہے چاہے نیکی کرے اور فلاح پائے یا گناہ اور معصیت کا راستہ اپنائے۔

اس سلسلے میں سر سید کا کہنا ہے کہ جو لوگ کفر میں پڑے ہوئے ہیں ان کے بارے میں خدا تعالیٰ نے کہا ہے:

'' خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ'' (48)

''خدا نے ان کے دلوں اور سماعتوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے۔''

مگر کسی مفکر نے اس کے صحیح معنی مراد نہیں لئے کیونکہ کسی کے دل اور آنکھوں پر پردہ نہیں پڑتا بلکہ بات نہ سمجھنے اور غور نہ کرنے کو بطور استعارہ لیا ہے۔ ایسے ہی ہے کہ کوئی ناصح نصیحت کرے اور دوسرا کان نہ دھرے۔

قرآن کی کسی آیت سے جبر و اختیار کے مسئلہ پر بحث کرنا قرآن کے بیان کلام کے منافی ہے اور نہ انسان کے اپنے افعال میں مجبور ہونے پر استدلال ہو سکتا ہے۔نہ مختار ہونے پر بین الجبر ولا اختیار ہونے پر بلکہ قرآن میں جابجا اللہ تعالی نے بندوں کے افعال کو بلکہ ہر ایک چیز کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔[49]

قرآن مجید کی کسی آیت میں نہ انسان کے اپنے افعال میں مجبور ہونے پر استدلال ہو سکتا ہے نہ مختار ہونے پر نہ بین الجبر ولا اختیار ہونے پر مگر افسوس کہ علماء متقدمین نے اس پر بحث کی ہے اور آپس میں پھر مختلف آراء دی ایک گروہ اپنے افعال میں مجبور ہونے کا قائل ہے جبکہ دوسرا مختار ہونے کا قائل ہے۔تیسرا بین الجبر ولا اختیار کا قائل ہے جو مذہب اہل سنت والجماعۃ سے ہے۔جبکہ ہمارے نزدیک ان میں سے کسی پر استدلال کرنا اور اس کو ایک مسئلہ اسلام منزل من اللہ سمجھنا غلطی ہے کیونکہ قرآن میں ہر جگہ اللہ نے ہر چیز کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔[50]

معراج

سر سید نے ثابت کیا ہے کہ معراج اور اسرا در حقیقت ایک ہی واقعہ تھا اور وہ ابتداء سے اخیر تک روح کے ساتھ اور خواب کی حالت میں واقع ہوئی نہ بیداری میں اور یہ کہ جب عقل اور نقل میں بظاہر اختلاف پایا جائے تو نقل کو عقل کے مطابق بیان کیا جائے۔[51]

اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "معراج کے متعلق حدیثوں اور روایتوں میں جس قدر اختلاف ہے غالبا اور کسی امر میں اس قدر اختلاف نہ ہو گا۔تمام روایتیں اتنی مختلف ہیں کہوئی اعلانیہ قرینہ یا دلیل بین ان میں سے کسی روایت کو مرجع کرنے کی نہیں ہے۔قرآن مجید میں اس بات پر یقین ہو سکتا ہے کہ اسرا جسکا دوسرا نام معراج ہے رات کو واقع ہوئی اور احادیث سے اور قرآن سے جو بطور دلالت النص پایا جاتا ہے وہ اس قدر ہے کہ زمانہ نبوت میں معراج ہوئی اور یہ بات کہ کب ہوئی بسبب اختلاف روایات و احادیث محقق ثابت نہیں ہو سکتا۔"[52]

روح

سر سید احمد خان روح کو ایک غیر استدلالی حقیقت سے تعبیر کرتے ہیں جو حیوان اور انسان دونوں میں مسلم ہے۔اگر چہفہم انسانی اس کی صحیح نوعیت کی گرفت نہیں کر سکتی۔حیوانی روح کی بنیادی طور پر جبلت احاطہ کئے ہوئے ہے۔انسانی روح لا محدود رد عمل کی صلاحیت رکھتی ہے وہ ترقی بھی کر سکتی ہے اور انحطاط پذیر بھی ہو سکتی ہے۔وہ خیر اور شر کے بذات خود انتخاب کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی اس کا وجود جوہر کی شکل میں ہے اس لئے وہ لافانی ہے۔[53]

مذہب اسلام نے روح کا موجود ہونا بیان کیا مگر اس کی حقیقت بیان نہیں کی خدا تعالی کے اس قول کی نسبت کہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّ[54] علماء نے دو قسم کی گفتگو کی ہے۔بعضوں کی رائے ہے کہ حقیقت روح سے بحث کرنا جائز

نہیں ہے جبکہ بعض کہتے ہیں کہ روح کے قدیم یا حادث یعنی مخلوق ہونے کی نسبت جو مباحثہ تھا اس کا جواب ہے۔ بہر حال اس کا کوئی مطلب سمجھا جائے مگر در حقیقت یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقت کی روح کا جاننا بلکہ ہر ایک شے کی حقیقت کا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہے۔ قرآن بھی ان ان تمام چیزوں کی حقیقت سے جو فطرت انسانی سے خارج ہیں انکار کرتا ہے۔ اس طرح حقیقت روح کو بھی بیان کرنے سے انکار کرتا ہے۔ سر سید کہتے ہیں اگر وہ لوگ جنہوں نے روح کی نسبت سوال کیا تھا پانی اور مٹی کے بارے میں بھی کرتے تو خدا فرماتا:

''یسئلونک عن ا لماء والطین قل الماء والطین من امر ربی.''(55)

غرضیکہ ماہیت اشیاء کا جاننا انسانی فطرت سے خارج ہے۔

سر سید یہ بھی کہتے ہیں:

''روح کے عمل کی کوئی انتہا نہیں یہ جوہر میں موجود ہوتی ہے۔ اس لئے یہ غیر فانی ہے۔ لیکن اس نے جو خیر وشر اپنے اندر جذب کیا ہو گا اس کا حساب اسے دینا ہو گا جو قیامت کے روز ہو گا۔''(56)

جادو یا سحر

اس سلسلے میں سر سید کی رائے ہے کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ جملے عام ہیں کہ لوگ کہتے ہیں حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر جادو ہوا تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ آنحضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو کہتے ہیں کہ آنحضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر جادو کر دیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 47 میں ہے:

'' إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا'' (57)

''خدا فرماتا ہے کہ کافر آپس میں کہتے ہیں تم جو محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی پیروی کرتے ہو تو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ ایک آدمی جس پر جادو کر دیا۔''

پس قرآن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کافر ہو جو یہ کہے کہ پیغمبر پر جادو کر دیا ہے مگر کہا جاتا ہے کہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر جادو کو نہ مانے وہ کافر ہے۔ زمانہ الٹ گیا ہے اگر ہم حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر نعوذ باللہ جادو ہونا مان لیں تو کیونکر یقین ہو کہ کونسی بات جادو ہونے کی حالت میں اور کونسی بات جادو اتری حالت فرمائی ہے تو کہتے ہیں یہ دوسرا کفر بکا مگر ہم یقین نہیں کرتے کہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر جادو ہوا تھا۔(58)

تہذیب الاخلاق میں کہتے ہیں:

''جن چیزوں پر تمام دنیا کے لوگ یکساں اعتقاد رکھتے ہیں انہیں میں سے جادو بھی ہے۔ زمانہ قبل کی دنیا کا کوئی چپہ ایسا نہیں ہے کہ جہاں کے لوگ جادو کے نسخ ہونے پر یقین نہ رکھتے تھے۔ یورپ جو اب سویلائزڈ ہے وہ اگلے زمانے میں جادو پر پورا یقین رکھتا تھا۔ روم میں جادوگر عورتوں

پر مقدمات چلائے جاتے تھے اور ان کو سزادی جاتی تھی۔ مسلمانوں کو بھی جادو کے پر حق ہو نے کا یقین رہا اور اکثر علماء نے قرآن کی آیتوں اور بعض حدیثوں سے غلط معنی سمجھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جادو بر حق ہے حالانکہ یہ خیال محض غلط ہے۔ہم نے یکم محرم 1307ھ کے تہذیب الاخلاق میں بڑا مضمون اسی پر لکھاہے اور ثابت کیاہے کہ جن آیتوں کا حوالہ لے کر جادو کو بر حق ثابت کیاہے وہ صحیح نہیں بلکہ یہ آیتیں جادو کے بر حق ہونے پر دلالت نہیں کر تیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ نے بھی فرمایاہے: جادو کی کچھ اصلیت نہیں اور معتزلہ بھی اس کے قائل نہیں ہیں ابو بکر رازی حنفی مسلک سے ہیں یہ بھی جادو کو بر حق نہیں مانتے۔"(59)

ماحصل

سرسید کے کلامی افکار پر بحث کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتاہے کہ سرسید احمد خان کی تمام خیال آرائیوں کی بنیاد دو لفظوں پر تھی

1۔ فطرت

2۔ عقل

فطرت کو سرسید نے خصوصیت سے ہر چیز کا معیار بنایاہے اور عقل کو اس لحاظ سے خاص اہمیت دی کہ قرآن میں جابجا "لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ" "لَعَلَّکُمْ تَدْبِرُوْنَ" جیسے الفاظ آئے ہیں اور غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ سرسید چاہتے تھے کہ اسلام کو جدید دور رسے ہم آہنگ کرکے انگریزوں کے شانہ بشانہ ترقی کی جائے تاکہ مسلمان ترقی کی دوڑ میں پیچھے نہ رہ جائیں۔

سرسید کے نزدیک چونکہ اسلام اور نیچر میں مطابقت ہے اس لئے اسلام اور عقل میں مطابقت ضروری ہے۔ جدید ذہن اندھی تقلید کی بجائے وہ چیز جلد قبول کرتاہے جو عقل کے ذریعہ عمل میں آئے یا تجربہ کے ذریعہ منظر عام پر آئے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی تمام تر تصانیف میں اندھی تقلید کی بجائے عقل سے کام لیااور وہ یہی چاہتے تھے

☆☆☆☆☆

﴿حوالہ جات﴾

1. ظفر حسن،ڈاکٹر،(1990ء). سرسید اور حالی کا نظریہ فطرت،لاہور،اذارہ ثقافت اسلامیہ،ص:112
2. ایضا،ص:114
3. سرسید احمد خان،(1288ھ)۔ تہذیب الاخلاق
4. شیخ،محمد اکرام،(1984ء)۔موج کوثرلاہور،ادارہ ثقافت اسلامیہ،ص:164-165

5. ایضا،ص:165
6. پانی پتی، محمد اسماعیل، مولانا،(س،ن)۔ مقالات سرسید، لاہور، مجلس ترقی ادب، حصہ سوم، ص:24
7. نعمانی شبلی، علامہ،(1979ء)۔ علم الکلام اور الکلام، کراچی، نفیس آکیڈمی، ص:171-172
8. الروم،30:30
9. پانی پتی، محمد اسماعیل، مولانا،(س-ن)۔ مقالات سرسید، لاہور، مجلس ترقی ادب، حصہ دوم، ص:11
10. ایضا، حصہ سوم، ص:6-7
11. ایضا، حصہ سوم، ص:29
12. ایضا، حصہ چہارم، ص:62
13. ایضا، ص:22
14. ایضا، ص:11-16
15. قریشی، نسیم،(1960ء)۔ علی گڑھ تحریک، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ص:128-130
16. شیخ، عبد الروف، ڈاکٹر،(2000ء)۔ مقالات سرسید، ملتان، بیکن بکس گلگشت، ص:30
17. ایضا، ص:26
18. ایضا، ص:26-27

19. Religious thought of Sayyid Ahmad Khan, (1971).B.A Dar, Lahore, Institute of Islamic Culture, P:129

20. ایضا، ص:146
21. پانی پتی، محمد اسماعیل، مولانا، مقالات سرسید، ص:200
22. حالی، الطاف حسین، مولانا،(1991ء)۔ حیات جاوید، لاہور آرٹ پریس، ص:711
23. سید احمد خان، سر،(1968ء)۔ برگ گل، سرسید نمبر نقش ثانی-69، لاہور، مجلہ اردو کالج، ص:311
24. سید احمد خان سر،(س-ن)۔ تہذیب الاخلاق، جلد دوم، ص:201-204
25. ایضا، ص206
26. بشیر محمد پروفیسر،(2006ء)۔ فلسفہ مغرب کی تاریخ، پورب اکادمی اسلام آباد، ص:216-217
27. عہدی پوری، شفیقی،(2005ء)۔ فلسفہ ہندو یونان، لاہور، دار الشعور، ص:99
28. عطیہ سید،،(1994ء)۔ اقبال مسلم فکر کا ارتقاء، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ص:84-85
29. ایضا، ص:109
30. سید احمد خان، سر،(س-ن)۔ تہذیب الاخلاق، جلد دوم، ص:302
31. سید احمد خان، سر،(2004ء)۔ تفسیر القرآن، لاہور، دوست ایسوسی ایٹس، ص:4
32. پانی پتی، محمد اسماعیل، مولانا،(1963ء)۔ مقالات سرسید، لاہور، مجلس ترقی ادب، جلد سیزدہم، ص:66
33. سید احمد خان، سر،(2004ء)۔ تفسیر القرآن، لاہور، دوست ایسوسی ایٹس، ص:25-27
34. ایضا، ص:95
35. پانی پتی، محمد اسماعیل،(1963ء)۔ مولانا، مقالات سرسید، لاہور، مجلس ترقی ادب جلد سیزدہم، ص:66-67
36. ایضا، ص:73
37. حالی، الطاف حسین، مولانا،(1991ء)۔ حیات جاوید، لاہور، آرٹ پریس، ص:713